تحقیق و تنقید شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالسلام بن محمد بھٹوی

گزشتہ سے پیوستہ

نفاذِ شریعت کا مطالبہ کیوں؟

اب میں وہ دفعات پیش کرتا ہوں جن کے ذریعے قانونِ حنفی میں چوری کی حد معطل کی گئی ہے۔ اس کے لیے میں نے صرف ہدایہ اور فتاویٰ عالمگیری کو مآخذ بنایا ہے کیونکہ یہ دونوں کتابیں حنفی حضرات کے ہاں معتبر سمجھی جاتی ہیں۔ ہدایہ کے متعلق مولانا عبدالحیؒ لکھنوی نے مقدمہ حاشیہ ہدایہ میں ایک شعر نقل کیا ہے، جس سے حنفی حضرات کے ہاں دوسری کتابوں کے مقابلے میں اس کتاب کا مقام معلوم ہوتا ہے۔

؎ اِنَّ الْهِدَايَةَ كَالْقُرْاٰنِ قَدْ نَسَخَتْ
مَا صَنَّفُوْا قَبْلَهَا فِي الشَّرْعِ مِنْ كُتُبٍ

یعنی "ہدایہ قرآن کی طرح ہے کہ اس نے اپنے سے پہلے، شریعت میں لکھی گئی تمام کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے!"

اور فتاویٰ عالمگیری کی ابتداء میں مآثر عالمگیری کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"سلطان اورنگ زیب عالمگیر کی توجہ دینی امور کی طرف بہت تھی۔ ان کا ارادہ یہ ہوا کہ لوگ فروعِ حنفیہ کے مفتیٰ بہا مسائل پر عمل کریں مگر انہوں نے دیکھا کہ ایسا کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ مسائل مختلف کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں اور ان میں کئی خلافیات ہیں اور کئی ضعیف روایات سے نقل شدہ مسائل۔ چنانچہ انہوں نے یہ مشکل دور کرنے کی ذمہ داری ہندوستان کے مشہور علماء کے سپرد کی، جنہوں نے سلطان کے دارالکتب میں موجود مذہب حنفی کی مبسوط کتب سے تحقیق و جستجو کے ساتھ مسائل اخذ کئے۔ ساتھ ساتھ اُس کتاب کا بھی ذکر کر دیا جو اس مسئلہ کی مآخذ ہے اور ایک ایسی کتاب مرتب فرما دی جس میں وہ سب مسائل جمع ہیں جن کی فتویٰ کے لیے ضرورت ہوتی ہے تاکہ دوسرے

فتاویٰ کی ضرورت نہ رہے۔ اس کام کی نگرانی سلطان نے مولانا نظام کے ذمہ لگائی۔ اور علمائے مولفین کے وظائف اور دوسری ضرورتوں کے لیے تقریباً دو لاکھ روپیہ خرچ کیا ــــ" عالمگیری کے جس نسخہ سے میں نے حوالے لکھے ہیں وہ مطبع احمدی (۱۲۷۸ھ) میں چھپا ہے۔

اصل حنفی قانون کی تعیین :

میں نے حنفی قانون کے نقل کرتے میں اس بات کا التزام کیا ہے کہ نقل کردہ قول ہدایہ یا عالمگیری میں بطور مسلّمہ قانون کے بیان کیا گیا ہو۔ چند مقامات، جہاں قانون نقل کرنے کے بعد صاحبِ مذہب سے ان کے کسی شاگرد کا اختلاف نقل کیا گیا ہے، وہاں میں نے کسی شاگرد کے قول کو اصل مذہب قرار نہیں دیا۔ کیونکہ ایسے مقامات پر تین صورتیں ممکن ہیں :

۱۔ ایک صورت یہ ہے کہ شاگردوں کے قول کو اصل حنفی قانون قرار دیا جائے اور خود صاحبِ مذہب کا قول حنفی قانون ہونے سے انکار کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ اس صورت میں تقلید صاحبِ مذہب کی نہیں ہوگی بلکہ ان کے شاگردوں کی ہوگی۔ جو کوئی مخلص مقلد گوارا نہیں کر سکتا۔ قانون بھی پھر ابو یوسفی یا زفری وغیرہ ہوگا اسے حنفی قانون نہیں کہا جا سکتا۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ صاحبِ مذہب اور ان کے شاگردوں کے باہم متضاد اقوال کو قانونِ حنفی ہونے میں برابر کا درجہ دیا جائے۔ اس صورت میں دونوں پر عمل تو ہو نہیں سکتا۔ ایک کو ہی اصل حنفی قانون قرار دے کر اس پر عمل ہو سکتا ہے۔ مگر وہ مفتی صاحب کون ہوں گے جو یہ فریضہ سرانجام دیں گے؟ اور انہیں یہ منصب کس نے تفویض کیا ہے؟ صاحبِ مذہب اور ان کے شاگردوں نے یا احناف نے؟ ظاہر بات ہے کہ ایسا صاحبِ فتویٰ ایک بھی نہیں جسے خود صاحبِ مذہب اور ان کے شاگردوں نے یہ منصب عطا کیا ہو اور نہ ہی صاحبِ مذہب کے مقلدین کسی شخص کے ثالث ہونے کی حیثیت پر متفق ہیں۔ کم از کم مجھے کوئی ایسی ہستی معلوم نہیں ہو سکی جو مفتیٰ بہ قول کی تعیین کا حق تمام احناف کے نزدیک رکھتے ہوں اور ان کے مفتیٰ بہ قرار پائے گئے قول سے کسی نے اختلاف نہ کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کسی علاقے میں مفتیٰ بہ قول کچھ ہوگا اور کسی علاقے میں کچھ اور۔ کسی شہر میں اس قول پر عمل ہو رہا ہوگا جس میں حدود اجب ہے

اور کسی میں اس پر جس میں حد واجب نہیں۔ بلکہ ایک ہی شہر میں ایک قاضی حد واجب قرار دے گا تو دوسرا اسے ساقط کر دے گا اور بعض اوقات ایک ہی قاضی چاہے تو ایک قول پر حد نافذ کر دے گا اور چاہے گا تو دوسرے صاحب کے قول کی رُو سے حد ختم کر دے گا۔ پھر کوئی شخص ان اصحابِ فتاویٰ پر مواخذہ بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ صاحبِ مذہب اور ان کے شاگردوں کے باہم متضاد اقوال کو حنفی قانون ہونے میں برابر کا درجہ دیا گیا ہے۔ ایک ہی شخص پر حد واجب ہونا بھی قانونِ حنفی ہے اور اسی شخص پر حد ساقط ہونا بھی قانونِ حنفی، اس صورت کا نتیجہ حد کی تنفیذ میں شریف وضعیف کے امتیاز کے علاوہ کیا نکل سکتا ہے؟

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ صاحبِ مذہب اور ان کے شاگردوں کے باہم متضاد اقوال میں سے صرف صاحبِ مذہب کے قول کو قانونِ حنفی قرار دیا جائے کیونکہ اس کی نسبت انہی کے نام کی طرف ہے اور انہی کی تقلید بھی کی جاتی ہے۔ اور قانونِ حنفی کی تعیین کے لیے قابلِ عمل صورت بھی یہی ہے اس لیے میں نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

بعض حضرات کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ اقوال جو ابو یوسف، محمد اور زفر (رحمہم اللہ) وغیرہ کی طرف منسوب ہیں، درحقیقت صاحبِ مذہب کے اقوال ہی ہیں کیونکہ ان کے بعض اوقات ایک مسئلہ میں کئی قول ہوتے ہیں۔ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ کئی مقامات پر صاحبِ مذہب (امام ابوحنیفہؒ) کے دو، دو، تین، تین اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔ اور سب ان ہی کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ یہاں ایسی کون سی ضرورت پیش آئی کہ ان کے اقوال ان کی طرف منسوب کرنے کی بجائے ان کے شاگردوں کی طرف منسوب کر دیئے گئے؟ حقیقت یہی ہے کہ ابو یوسف، محمد، زفر وغیرہ کے اقوال خود انہی حضرات کے اقوال ہیں ورنہ انہیں ان کی طرف کبھی منسوب نہ کیا جاتا۔ ان اقوال کا ابوحنیفہؒ کے اقوال ہونے کی دلیل ہرگز نہیں ملتی۔ یہ صرف بے دلیل دعوے ہیں جو حقیقت کے ترازو میں پرِ کاہ وزن نہیں رکھتے۔

ائمہ ثلاثہ کے اقوال کے ماخذ:

دوسرے ائمہ کرام کے اقوال میں نے وزیر ابن ہبیرہ رحمہ اللہ المتوفی ۵۶۰ھ کی

کتاب "الافصاح عن معانی الصحاح" سے نقل کئے ہیں۔ کیونکہ اس میں چاروں اماموں کے متفق علیہ اور مختلف فیہ مسائل جمع کر دیئے گئے ہیں۔ مصنف نے اپنے زمانہ وزارت میں چاروں مذاہب کے علماء کو تمام عالم اسلام سے جمع کر کے ان کی تصدیق و تصویب سے یہ کتاب لکھی اور اس مقصد کے لیے انہوں نے اس زمانہ میں ایک لاکھ تیرہ ہزار دینار کی خطیر رقم خرچ کی۔ ائمہ ثلاثہ کے اقوال معلوم ہونے کے علاوہ ہدایہ اور عالمگیری میں امام ابوحنیفہؒ کے اقوال کی، ان کی طرف نسبت کی مزید تصدیق بھی اس کتاب سے ہوتی ہے۔ بعض مقامات پر ائمہ ثلاثہ کے اقوال دوسری کتابوں سے بھی نقل کئے گئے ہیں اور باقاعدہ حوالہ دیا گیا ہے۔

اگرچہ چوری کے لیے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد باطل کرنے کے لیے قانونِ حنفی میں ایسی دفعات بھی موجود ہیں جن سے قاضی کی طرف سے ہاتھ کاٹ دینے کے فیصلے کے بعد بھی چور کی حد ختم کر دی گئی ہے۔ تاہم چونکہ ان سے حدِ سرقہ کا رد کرنا بالکل ہی واضح ہے اس لیے اس نوبت تک پہنچنے سے پہلے پہلے اسے ختم کرنے کی کئی صورتیں تیار کی گئی ہیں۔ کیونکہ غیر محسوس طریقے سے اگر حد ختم ہو جائے تو کھلم کھلا انکار کر کے نشانۂ ملامت بننا کون سا ضروری ہے؟ فیصلے کے بعد حد ختم کرنے کی دفعات اس بحث کے آخر میں آئیں گی۔

دیر سے پہنچنے والی گواہی کا ناقابلِ قبول ہونا:

"وَاِذَا شَهِدَ عَلَيْهِ الشُّهُوْدُ بِسَرِقَةٍ اَوْ بِشُرْبِ خَمْرٍ اَوْ بِزِنَاءٍ بَعْدَ حِيْنٍ لَمْ يُؤْخَذْ بِهٖ وَضَمِنَ السَّرِقَةَ وَالْاَصْلُ اَنَّ الْحُدُوْدَ الْخَالِصَةَ حَقًّا لِلّٰهِ تَعَالٰى تَبْطُلُ بِالتَّقَادُمِ"

(ہدایہ ص۲۱۶ ج۲)

"اگر گواہ کچھ مدت کے بعد چوری، شراب نوشی یا زناء کی گواہی دیں تو اس کے ساتھ مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور وہ چوری کا ضامن ہوگا اور اصل یہ ہے کہ وہ حدود جو خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہیں، قدیم ہونے کے ساتھ باطل ہو جاتی ہیں۔"

مدت جس کے بعد پہنچے تو شہادت قبول نہیں ہوگی:

"وَاخْتَلَفُوْا فِيْ حَدِّ التَّقَادُمِ وَاَشَارَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ

اِلٰی سِتَّةِ اَشْهُرٍ فَاِنَّهٗ قَالَ بَعْدَ حِيْنٍ وَ هٰكَذَا اَشَارَ الطَّحَاوِيُّ ـــ وَاَبُوْ حَنِيْفَةَ لَمْ يُقَدِّرْ فِيْ ذٰلِكَ وَفَوَّضَهٗ اِلٰى رَاْيِ الْقَاضِيْ فِيْ كُلِّ عَصْرٍ وَعَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّهٗ قَدَّرَهٗ بِشَهْرٍ لِاَنَّ مَا دُوْنَهٗ عَاجِلٌ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ وَهُوَ الْاَصَحُّ وَهٰذَا اِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْقَاضِيْ وَبَيْنَهُمْ مَسِيْرَةُ شَهْرٍ اَمَّا اِذَا كَانَ تُقْبَلُ شَهَادَتُهُمْ" (ہدایہ ص ۲۱۶ ج ۲)

"ائمہ احناف نے شہادت پرانی ہونے کے لیے مقرر کردہ مدت میں اختلاف کیا ہے جامع صغیر میں اشارہ کیا ہے کہ یہ مدت چھ ماہ ہے۔ کیونکہ انہوں نے "بَعْدَ حِيْنٍ" کہا ہے۔ طحاوی نے بھی ایسے ہی اشارہ کیا ہے اور ابوحنیفہؒ نے اس میں کوئی مدت مقرر نہیں کی اور اسے ہر زمانے میں قاضی کی رائے کے سپرد کر دیا۔ اور محمد سے روایت ہے کہ انہوں نے تقادم (پرانا ہونے) کی مدت کا اندازہ ایک ماہ قرار دیا کیونکہ اس سے کم (مدت میں ادا کی جانے والی شہادت) "جلدی" ہے اور ابوحنیفہ اور ابو یوسف سے بھی ایک روایت یہ ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ یہ اس وقت ہے جب قاضی اور گواہوں کے درمیان ایک ماہ کا فاصلہ نہ ہو۔ ہاں اگر اتنا فاصلہ ہو تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی۔"

شہادت کو دیر سے پہنچنے کی بنا پر مسترد کرنا نہ اللہ کا حکم ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ اس پر اجماعِ اُمت ہے نہ قیاسِ صحیح اس کی تائید کرتا ہے۔ اگر دیر سے پہنچنے والی شہادت اس بنا پر رد کی جا رہی ہے کہ گواہوں نے دشمنی کی بنا پر شہادت نہ دی ہو یا کوئی سازش نہ گھڑی ہو تو اس کے امکانات تو جلدی والی شہادت میں بھی موجود ہیں۔ پھر تو ہر شہادت ہی رد کئے جانے کے قابل ہے۔ "اِدْرَأُوا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ" سے بے بنیاد شبہات مراد لینا درست نہیں ویسے اس روایت کی حقیقت پر مستقل گزارش آگے آئیں گی ان شاء اللہ۔

پھر قدیم ہونے کے لیے چھ ماہ کے تو صرف اشارے ہیں۔ صاف روایتیں دو ہیں

ایک روایت ایک ماہ کی اور دوسری قاضی کی رائے پر چھوڑنے کی۔ اب قاضی کو غیر محدود اختیارات حاصل ہو گئے۔ ملزم کو پھنسانا چاہے تو مہینے تک پھنسا دے، چھوڑنا چاہے تو ایک دن دیر سے آنے والے گواہوں کو "بقول صاحبِ ہدایہ" فاسق" قرار دے کر ان کی شہادت رد کر کے ملزم کو چھوڑ دے۔ بیشک ایک ماہ کی روایت کو اصح کہا گیا ہے مگر رائے قاضی والی روایت صحیح ہونے سے انکار نہیں کیا گیا۔ اور اگر ایک ماہ کی مدت کو ہی صحیح قرار دیا جائے تو یہ بھی صاف شریعت سازی ہے کہ انتیسویں دن تک پہنچنے والی گواہی تو تازہ تازہ ہے مگر تیسویں دن والی گواہی پرانی ہے۔ تقادم کی یہ حد اگر کوئی مقرر کر سکتا ہے تو صرف صاحبِ شرع، نہ کہ احبار و رہبان، اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت میں اس حدِ تقادم کا وجود ہی نہیں۔

خالص اللہ کے حقوق والی حدود میں تقادم سے حد باطل کرنے میں ائمہ ثلاثہ امام مالک شافعی، احمد رحمہم اللہ میں سے کوئی بھی امام ابوحنیفہ کا ہمنوا نہیں۔ چنانچہ "الافصاح" میں ہے:

"وَاتَّفَقُوْا عَلٰی اَنَّ الشَّهَادَةَ فِی الْحَالِ تُسْمَعُ عَلَی الْقَذْفِ وَالزِّنَاءِ وَشُرْبِ الْخَمْرِ ـــ وَاخْتَلَفُوْا فِیْمَا اِذَا مَضٰی عَلٰی وَقْتِ الْمُوَاقَعَةِ لِذٰلِكَ حِیْنٌ فَقَالَ اَبُوْحَنِیْفَةَ لَا تُسْمَعُ ذٰلِكَ بَعْدَ تَطَاوُلِ الْمُدَّةِ اِذَا لَمْ یَقْطَعْهُمْ عَنْ اِقَامَةِ الْبَیِّنَةِ بُعْدُهُمْ عَنِ الْاِمَامِ وَقَالَ الْبَاقُوْنَ تُسْمَعُ"

(الافصاح ص۲۴۳ ج ۲)

"(چاروں اماموں نے) اتفاق کیا ہے کہ قذف، زنا اور شراب نوشی پر فی الحال (اسی وقت دی جانے والی) شہادت مسموع ہوگی۔ اور اس صورت میں اختلاف کیا ہے جب ان کے واقعہ ہونے پر کچھ وقت گزر جائے۔ تو ابوحنیفہ نے کہا کہ مدت گزرنے کے بعد نہیں سنی جائے گی۔ جب انہیں گواہی پیش کرنے سے امام سے دور ہونا رکاوٹ نہ بنا ہو۔ اور باقی ائمہ نے کہا سنی جائے گی۔"

نتیجہ: قذف کے متعلق ابوحنیفہؒ کا مسلک بیان کرنے میں صاحبِ ہدایہ اور الافصاح کے بیان میں اختلاف ہے۔

بعض اشیاء کو معمولی قرار دیکر ان کی چوری پر حد باطل کرنا:

حنفی قانون میں ایک لمبی فہرست ان اشیاء کی بنائی گئی ہے جو ان قانون ساز حضرات کے نزدیک، مالیت نہیں رکھتیں۔ اس لیے ان کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، خواہ فی الواقع وہ لاکھوں روپے کی قیمت کی ہوں۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

"وَلَا يُقْطَعُ فِيمَا يُوجَدُ تَافِهًا مُبَاحًا فِي دَارِ الْإِسْلَامِ كَالْخُشُبِ وَالْحَشِيشِ وَالْقَصَبِ وَالسَّمَكِ وَالطَّيْرِ وَالصَّيْدِ وَالزَّرْنَبِ وَالْمَغْرَةِ وَالنَّوْرَةِ"

(ہدایہ ص ۲۳۵ ج ۲۔ عالمگیری ص ۶۲ ج ۲)

"جو چیزیں دار الاسلام میں حقیر اور مباح ہونے کی حالت میں پائی جاتی ہیں، ان کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ جیسے کہ لکڑی، گھاس، سرکنڈا، مچھلی، ہڑتال، گیرو اور چونہ"

حد باطل کرنے کا عذر:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ:

"كَانَتِ الْيَدُ لَا تُقْطَعُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ فِي الشَّيْءِ التَّافِهِ"

یعنی "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں معمولی چیز پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا"

چونکہ ہاتھ اس چیز میں کاٹا جاتا ہے جو مالیت رکھتی ہو اور مذکورہ چیزیں حقیر ہیں اور دار الاسلام میں فی الاصل مباح پائی جاتی ہیں اور اس صورت میں ان کی طرف رغبت بہت کم ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ردِّ عذر:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود ہی واضح فرما دیا ہے کہ "تافہ" شے سے کیا مراد ہے۔ چنانچہ انہوں نے مندرجہ بالا الفاظ کے بعد فرمایا ہے کہ:

"اور ڈھال سے کم قیمت چیز میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا" حدیث کے الفاظ پیچھے

گزر چکے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کا مطلب تافہ چیز سے وہ چیز ہے جو ڈھال سے کم قیمت ہو۔ نہ کہ آپ لوگوں کی بنائی ہوئی فہرست۔

اس میں شک نہیں کہ مندرجہ بالا چیزیں اگر کسی کی ملکیت نہ ہوں تو انہیں لے جانے والا چور ہے ہی نہیں کیونکہ اس نے ایک ایسی چیز لی جو سب لے سکتے تھے۔

البتہ یہ کہنا کہ اگر یہ چیزیں کسی کی ملکیت اور حفاظت میں ہوں اور چوری کرنے والا ربع دینار یا بقولِ احناف دس درہم یا اس سے زائد قیمت کی چیز چرا لے خواہ وہ لاکھوں روپے کی ہو اس وقت بھی وہ حقیر ہے اور اسے چرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، بالکل بے بنیاد بات ہے۔ اس وقت نہ وہ معمولی ہے نہ حقیر اور نہ سب کے لیے مباح۔ یہ نہ کتاب اللہ کا حکم ہے، نہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ اجماعِ اُمت اور نہ قیاسِ صحیح!

لکڑی کی چوری کی تفصیل:

اُوپر گزر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک لکڑی کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ امام صاحب نے اس میں سے چار قسم کی لکڑی مستثنیٰ قرار دی ہے کہ ان کی چوری پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا:

"وَيُقْطَعُ فِي السَّاجِ وَالْقَنَا وَالْأَبْنُوسِ وَالصَّنْدَلِ۔"

(ہدایہ ص ۲۳۷ ج ۲)

یعنی "ساگوان، قنا (جس سے نیزے بنتے ہیں)، آبنوس اور صندل میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ کیکر، شیشم، شہتوت، کیل، دیار، چلغوزہ اور دوسرے درختوں کی لکڑی کی چوری کرنے والے ٹمبر مارکیٹیں بھی خالی کر دیں، حنفی قانون کی رُو سے قطع ید سے محفوظ رہیں گے۔

ائمہ ثلاثہ کا فتویٰ:

"وَاخْتَلَفُوا فِي وُجُوبِ الْقَطْعِ بِسَرِقَةِ الْخَشَبِ إِذَا بَلَغَ قِيمَتُهُ نِصَابًا فَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ: يَجِبُ

الْقَطْعُ فِيْ ذٰلِكَ عَلَى الْاِطْلَاقِ ــــ وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ لَا يَجِبُ الْقَطْعُ اِلَّا فِي السَّاجِ وَالْاَبْنُوْسِ وَالصَّنْدَلِ وَالْقَنَا۔"

(الافصاح صفحہ ۲۶۰ ج ۲)

"اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ لکڑی کی چوری میں جب اس کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے، تو اس میں ہاتھ کاٹنا واجب ہے یا نہیں؟ تو مالک، شافعی اور احمد نے کہا: اس میں علی الاطلاق (ہر طرح کی لکڑی میں) ہاتھ کاٹنا واجب ہے اور ابوحنیفہ نے کہا: ہاتھ کاٹنا واجب نہیں مگر ساگوان، آبنوس، صندل اور قنا میں۔"

لکڑی کے تیار کردہ دروازے اور فرنیچر:

"وَاِنْ جَعَلَ مِنَ الْخَشَبِ الَّذِيْ لَا قَطْعَ فِيْهِ بَابًا اَوْ كُرْسِيًّا اَوْ سَرِيْرًا يَجِبُ الْقَطْعُ بِسَرِقَتِهٖ ــــ كَذَا فِي الْمُحِيْطِ۔"

(عالمگیری ص ۶۳ ج ۲)

"اگر اس لکڑی سے جس میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا، کوئی شخص دروازہ یا کرسی یا چارپائی بنالے تو اس کی چوری پر ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔"

قانونِ حنفی میں اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ صنعت (کاریگری) کی وجہ سے اب لکڑی قیمتی بن گئی ہے حقیر نہیں رہی۔ مگر قیمتی تسلیم کر لینے کے بعد تیار شدہ دروازوں کی چوری پر حد باطل کرنے کے لیے کچھ اور ضابطے وضع کئے گئے ہیں۔

وہ دروازے جن کی چوری پر حد واجب نہیں:

"وَاِنَّمَا يُقْطَعُ فِي الْاَبْوَابِ اِذَا كَانَتْ فِي الْحِرْزِ وَكَانَتْ خَفِيْفَةً لَا يَثْقُلُ حَمْلُهَا عَلَى الْوَاحِدِ لِاَنَّهٗ لَا يُرْغَبُ فِيْ سَرِقَةِ الثَّقِيْلِ مِنَ الْاَبْوَابِ وَاِنْ كَانَتْ مُرَكَّبَةً عَلَى الْبَابِ لَا يُقْطَعُ كَذَا فِي التَّبْيِيْنِ۔"

(عالمگیری ص ۶۳ ج ۲ ــــ ہدایہ میں بھی دوسرے الفاظ کے ساتھ یہ مسئلہ موجود ہے)

"دروازوں کی چوری میں ہاتھ صرف اس وقت قطع کیا جائے گا، جب وہ محفوظ جگہ میں ہوں۔ اور اتنے ہلکے ہوں کہ ایک آدمی پر ان کا اٹھانا بھاری نہ ہو۔ کیونکہ بھاری دروازے چرانے کی رغبت نہیں اور اگر وہ دروازے دیوار میں جڑے ہوئے ہیں تو پھر بھی ہاتھ قطع نہیں کیا جائے گا۔"

اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ ہاتھ صرف ان دوازوں کے چرانے پر کاٹا جائے گا جو اتنے ہلکے ہوں کہ ایک آدمی بآسانی اٹھا کر لے جا سکے۔

۲۔ "اگر دروازے ایک آدمی پر اٹھانے میں بھاری ہوں تو ان کی چوری پر حد نہیں۔ کیونکہ ان کی چوری کی رغبت نہیں ہوتی۔"

فرمایئے ہزاروں بلکہ بعض اوقات لاکھوں روپے کی مالیت کے بھاری دروازے جنہیں دو یا تین آدمی اٹھا کر یا ٹرک میں ڈال کر لے جائیں تو کیا ان پر آیت "وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا" لاگو نہیں ہوتی یا صرف بھاری ہونے کی وجہ سے ان کی مالیت ختم ہوگئی ہے کہ ربع دینار کی چوری میں حد ہے مگر ہزاروں روپوں کے دروازوں میں حد نہیں۔ چھوٹے دروازوں کی چوری میں ہاتھ کاٹنا اور بڑے دروازوں کو چرانے میں حد ختم کرنا پہلے لوگوں کے ضعیف اور شریف چوروں میں فرق کا آئینہ دار تو نہیں کہ بڑے دروازوں کی چوری بڑے لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ ضعیفوں میں یہ جرأت و ہمت کہاں؟

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ بھاری دروازے چرانے کی رغبت نہیں ہوتی، اس میں وضاحت نہیں کی گئی کہ کسے رغبت نہیں ہوتی؟ آیا چوری نہ کرنے والوں کو؟ اگر یہ بات ہے تو انہیں ہلکے دروازوں کی چوری کی بھی رغبت نہیں ہوتی۔ اور اگر آپ کہیں کہ چوروں کو رغبت نہیں ہوتی تو ساتھ ہی یہ بھی واضح کرنا چاہیئے کہ پھر وہ اتنی تکلیف کیوں فرماتے ہیں؟ کیا وہ رغبت کے بغیر ہی اپنی راتوں کی نیند اور آرام حرام کرتے ہیں؟

۳۔ "دیوار میں لگے ہوئے دروازے چرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔"

فرمایئے یہ کس آیت یا حدیث کا ترجمہ ہے؟ ایک شخص نے لاکھوں روپے کا مکان بنایا، اس میں بہترین لکڑی کے دروازے لگا کر تالے لگا دیئے۔ اس سے زیادہ حفاظت

وہ کیا کر سکتا تھا؟ چوروں نے دیواروں سے دروازے ہی نکال لیے۔ چور پکڑے گئے جرم بھی ثابت ہو گیا مگر وہ بے فکر رہیں، قانونِ حنفی ان کی دستگیری کا ضامن ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی حد سے بچانے کا ذمہ دار۔

مختلف قسم کے پتھروں، سنگِ مرمر اور شیشے کی چوری پر حد ختم کرنا:

"وَلَا قَطْعَ فِي الْحِجَارَةِ كَذَا فِي السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ وَلَا يُقْطَعُ فِي الرُّخَامِ ــــ وَظَاهِرُ الرِّوَايَةِ فِي الزُّجَاجِ أَنَّهُ لَا يُقْطَعُ كَذَا فِي فَتْحِ الْقَدِيْرِ" (عالمگیری ص ۶۲ ج ۲)

"پتھروں میں ہاتھ کاٹنا نہیں ہے ــــ سنگِ مرمر کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا ــــ اور شیشے کے متعلق ظاہر روایت یہ ہے کہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔"

عذر:

یہ چیزیں دارالاسلام میں مباح اور مٹی میں ملی ہوئی ملتی ہیں۔ ہر شخص اٹھا سکتا ہے اس لیے ان کی چوری پر حد نہیں۔

ردِّ عذر:

اس عذر کی حقیقت پیچھے واضح ہو چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی کی ملکیت سے سنگِ مرمر، شیشہ اور دوسرے قیمتی پتھر چرا کر اسے زندگی بھر کے اثاثے سے محروم کر دینے کے باوجود چور کے ہاتھ نہ کاٹنا صریح ظلم ہے۔ یہ نہ قرآن ہے نہ سنت نہ اجماع نہ منصفانہ قیاس۔ بلکہ نری سینہ زوری ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا موقف:

فقہ حنبلی کی مشہور کتاب "المغنی" میں امام احمد کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وَمَا عَدَا هٰذَا مِنَ الْأَمْوَالِ فَفِيْهِ الْقَطْعُ سَوَاءٌ كَانَ طَعَامًا أَوْ ثِيَابًا أَوْ حَيَوَانًا أَوْ أَحْجَارًا أَوْ صَيْدًا أَوْ نُوْرَةً أَوْ جَصًّا أَوْ زِرْنِيْخًا أَوْ تَوَابِلَ أَوْ فَخَّارًا أَوْ زُجَاجًا أَوْ غَيْرَهُ، وَلِهٰذَا قَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَأَبُوْ ثَوْرٍ"

(المغنی لابن قدامۃ (ص ۲۴۶ ج ۸)

"اس کے علاوہ جو مال بھی ہو اس میں ہاتھ کاٹا جائے گا برابر ہے کہ طعام ہو یا کپڑے یا جانور یا پتھر یا سرکنڈا یا شکار یا قلعی یا چونہ یا ہڑتال یا گرم مصالحے یا ٹھیکرے یا شیشہ یا ان کے علاوہ کوئی اور چیز۔ اور مالک، شافعی اور ابوثور نے بھی یہی فرمایا ہے۔"

گوشت، دودھ، تر پھلوں اور دوسری جلدی خراب ہونے والی چیزوں کی چوری پر حد ختم کرنا

"وَلَا قَطْعَ فِيمَا يَتَسَارَعُ إِلَيْهِ الْفَسَادُ كَاللَّبَنِ وَاللَّحْمِ وَالْفَوَاكِهِ الرَّطْبَةِ" (ہدایہ ص ۲۳۵ ج ۲)

"جو چیزیں جلدی خراب ہو جاتی ہیں، مثلاً دودھ، گوشت اور تر پھل، ان کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔"

"وَلَا فَرْقَ فِي عَدَمِ الْقَطْعِ بِاللَّحْمِ بَيْنَ كَوْنِهِ مَمْلُوحًا قَدِيدًا أَوْ غَيْرَهُ كَذَا فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ" (عالمگیری ص ۱۶۳ ج ۲)

"گوشت خواہ نمک لگا کر خشک کیا ہوا ہو یا دوسرا، ہاتھ نہ کاٹنے میں یکساں ہیں۔"

حد باطل کرنے کا عذر:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ"

یعنی "پھل اور کھجور کے گودے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔"

پھل چونکہ جلدی خراب ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جلدی خراب ہونے والی کسی چیز کی چوری پر حد نہیں۔ علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"لَا قَطْعَ فِي الطَّعَامِ"

یعنی "طعام (کھانے کی چیز) میں قطع ید نہیں۔"

اور طعام سے مراد تیار شدہ کھانا ہے یا جو اس جیسی جلدی خراب ہونے والی چیز ہو

ردِّ عذر :

۱۔ سب سے پہلے تو یہ قیاس ہی فاسد ہے۔ کیونکہ پھل پر صرف جلدی خراب ہونے والی اشیاء کا ہی نہیں بلکہ جلدی خراب نہ ہونے والی چیزوں کا بھی قیاس کرنا چاہیئے تھا کیونکہ ہر پھل جلدی خراب نہیں ہوتا بلکہ کئی پھل خواہ آپ درخت سے توڑیں، برسوں خراب نہیں ہوتے۔ مثلاً پستہ، اخروٹ، بادام، چلغوزہ وغیرہ!۔۔۔ تو اگر جلدی خراب ہونے والی چیزوں کی چوری کی حد جلدی خراب ہونے والے پھلوں کو بہانہ بنا کر باطل کی گئی ہے تو دیر تک محفوظ رکھی جانے والی چیزوں مثلاً گندم، جو، چنے اور دوسری تمام اجناس کی چوری کی حد جلدی خراب نہ ہونے والے پھلوں کے بہانہ سے ختم کرنی چاہیئے تھی تاکہ آگے آنے والی شقوں کی ضرورت ہی نہ رہتی۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ پھل کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹنے کی وجہ یہ ہے کہ پھل جلدی خراب ہوجاتا ہے کیونکہ اگر کوئی شخص پھلوں کے ڈھیر میں سے جلدی خراب ہونے والا پھل بھی چرائے اور وہ نصاب کو پہنچ جائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص درخت پر سے خشک پھل بھی چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔ اس کی تفصیل اگرچہ احادیث کے بیان میں گزر چکی ہے تاہم ایک حدیث یہاں بھی ذکر کی جاتی ہے، جس سے پھل کی چوری کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت سامنے آجائے گی :

" عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ فَقَالَ مَنْ اَصَابَ بِفِيْهِ مِنْ ذِيْ حَاجَةٍ غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَمَنْ خَرَجَ بِشَيْءٍ مِّنْهُ فَعَلَيْهِ غَرَامَةُ مِثْلَيْهِ وَالْعُقُوْبَةُ وَ مَنْ سَرَقَ مِنْهُ شَيْئًا بَعْدَ اَنْ يُّؤْوِيَهُ الْجَرِيْنُ فَبَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ " (سنن ابی داؤد ص ۶۰۳)

"عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درختوں پر لگے ہوئے پھل کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: جو کوئی ضرورتمند اس میں سے کھالے، جھولی بنا کر ساتھ نہ لے

جائے اس پر کوئی چیز نہیں اور جو اس میں سے کچھ لے جائے اس پر اس سے دوگنا جرمانہ اور سزا ہوگی اور جو شخص پھل کے جمع کرنے کی جگہ میں پہنچائے جانے کے بعد اس میں سے چوری کرے اور وہ ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر ہاتھ کاٹنا لازم ہے۔"

ثابت ہوا کہ تر پھل کی چوری میں حد ختم نہیں کی گئی، صرف درخت پر سے توڑنے کی صورت میں حد نہیں ہے اگر اس جگہ سے چرائے جہاں پھل جمع کئے گئے ہیں تو خواہ تر ہوں یا خشک، نصاب کو پہنچنے کی صورت میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ چنانچہ پھل، جس کو بنیاد بنا کر حنفی قانون نے دوسری جلدی خراب ہونے والی چیزوں کی چوری کی حد باطل کی ہے، خود اس کے ڈھیر میں سے نصاب یا اس سے زائد مقدار کی چوری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کاٹنا لازم قرار دیا ہے تو دودھ، گوشت اور تیار شدہ کھانے کی چوری سے آپ حد کس طرح ختم کر سکتے ہیں؟

۳۔ حدیث "لَا قَطْعَ فِي الطَّعَامِ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اور اگر ثابت مانی جائے تو پھر اسے تیار شدہ کھانے سے خاص کرنا بلا دلیل اور خانہ زاد بات ہے۔ پھر ہر کھانے والی چیز کی چوری سے حد ختم کرنا پڑے گی۔ جو خود احناف بھی صاف لفظوں میں کہنے سے گریز کرتے ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کا موقف:

"وَاخْتَلَفُوْا فِي الْقَطْعِ بِسَرِقَةِ مَا يُسْرِعُ إِلَيْهِ الْفَسَادُ فَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَاَحْمَدُ: يَجِبُ الْقَطْعُ فِيْهِ إِذَا بَلَغَ الْحَدَّ الَّذِيْ يُقْطَعُ فِيْ مِثْلِهِ بِالْقِيْمَةِ وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ: لَا يَجِبُ الْقَطْعُ فِيْهِ وَإِنْ بَلَغَتْ قِيْمَةُ مَا يُسْرَقُ مِنْهُ نِصَابًا"

(الافصاح ص۲۵۱ ج ۲)

"اور ان چیزوں کی چوری میں، ہاتھ کاٹنے کے متعلق ائمہ نے اختلاف کیا ہے جو جلدی خراب ہو جاتی ہیں۔ تو مالک، شافعی اور احمد نے کہا: جب اس

حد کو پہنچ جائے جس کی ہم قیمت اشیاء میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے تو ہاتھ کاٹنا واجب ہے اور ابو حنیفہ نے کہا: اس میں ہاتھ کاٹنا واجب نہیں اگرچہ اس میں سے چوری کی ہوئی چیز نصاب کو بھی پہنچ جائے۔"

معلوم ہوا کہ اس ضابطے میں احناف کو قرآن و سنت کی نصوص رد کرنے کے ساتھ ساتھ ائمہ ثلاثہ کی مخالفت کا سامنا بھی ہے۔

کھانے کے ساتھ برتن چرانے پر حد ختم کرنا:

"وَلَا فِي الْإِنَاءِ وَقَدْرٍ فِيهِ طَعَامٌ وَكَذَا فِي الْعِتَابِيَّةِ"

(عالمگیری ص۶۳ ج ۲)

"جس برتن میں یا ہانڈی میں کھانا ہو اس کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔"

"وَلَوْ سَرَقَ إِنَاءَ فِضَّةٍ قِيمَتُهُ مِائَةٌ وَفِيهِ نَبِيذٌ أَوْ طَعَامٌ لَا يَبْقَى أَوْ لَبَنٌ لَا يُقْطَعُ وَإِنَّمَا يُنْظَرُ مَا فِي الْإِنَاءِ"

(عالمگیری ص۶۳ ج ۲)

"اگر کوئی شخص چاندی کا برتن چرائے جس کی قیمت سو ہے اور اس میں نبیذ یا کھانے کی ایسی چیز ہو جو باقی نہیں رہتی یا دودھ ہو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، صرف وہ چیز دیکھی جائے گی جو برتن میں ہے۔"

ہزاروں روپے کی دیگیں اور دوسرے قیمتی برتن چرانے کا حیلہ یہ بتایا گیا کہ اس وقت چراؤ جب ان میں کھانے کی کوئی چیز، نبیذ، دودھ ہو، حد سے بچ جاؤ گے۔ کتاب و سنت کی رو سے یہ شخص نصاب سے زیادہ مال چرا رہا ہے تو اب اس سے حد ختم کرنا اللہ تعالیٰ کے فرمان "وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا" کو معطل کرنے کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟

قرآن مجید کے نسخوں کی چوری پر حد ختم کرنا:

"وَلَا قَطْعَ فِي سَرِقَةِ الْمُصْحَفِ وَإِنْ كَانَ عَلَيْهِ حِلْيَةٌ تُسَاوِي أَلْفَ دِرْهَمٍ"

(عالمگیری ص۶۳ ج ۲)

"قرآنِ مجید کے نسخے کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اگرچہ اس پر آرائش کا اتنا کام ہو جو ہزار درہم کے برابر ہے۔"

حد باطل کرنے کا عذر:

قرآنِ مجید مال نہیں ہے، نہ اس کی کوئی قیمت ہو سکتی ہے اور ہاتھ اس چیز کی چوری پر کاٹا جاتا ہے جس کی کوئی مالیت ہو۔ علاوہ ازیں وہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے پڑھنے کے لیے چرایا ہے اور قرآن پڑھنا ہر شخص کا حق ہے اس لیے اس کی چوری پر حد نہیں۔

ردِّ عذر:

قرآنِ مجید کے نسخے فروخت کرنا اور خریدنا بالاتفاق تمام مسلمانوں کے نزدیک جائز ہے۔ تو اگر قرآنِ مجید کے یہ نسخے مالیت ہی نہیں رکھتے تو انہیں بیچ کر خریدار سے پیسے لینا تو جائز طریقے سے مال کھانا ہوگا جو حرام ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص اسے خریدے گا تو بیچنے والے کی ملکیت سے نکل کر خریدنے والے کی ملکیت میں آجائے گا۔ اب چور اگر کسی کی ملکیت سے ربع دینار یا اس سے زائد قیمت کا قرآنِ مجید کا نسخہ چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔ رہی یہ بات کہ قرآن پڑھنا ہر شخص کا حق ہے، یہ واقعی درست ہے مگر قرآنِ مجید کا نسخہ چوری کرنا کسی شخص کا بھی حق نہیں۔ پڑھنے کے لیے اٹھانا ہوتا تو خرید لیتا یا اجازت کے ساتھ لیتا۔ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے قرآن پڑھنے والے چوری نہیں کیا کرتے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہیں بھی قرآنِ مجید کے نسخے چوری کرنے والوں کو قطعِ ید سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔

اگر ایک منٹ کے لیے مان لیا جائے کہ قرآنِ مجید مال نہیں ہے تو گتے، کاغذ، سیاہی اور اس کی آرائش وغیرہ تو مال ہیں اور ان کی قیمت بھی ہے چور چرا تا بھی انہی چیزوں کے لیے ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ چیزیں تابع ہیں اس لیے حد معاف ہے، تو یہ بات بھی بے دلیل ہے۔ نصاب کو پہنچی ہوئی چیز کی چوری پر خواہ وہ تابع ہو یا متبوع، ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ تابع اور متبوع میں حد نہ ہونے اور ہونے کا فرق، کتاب و سنت

سے ثابت نہیں، یہ صرف ابطالِ حدود کا ایک حیلہ ہے۔

کتابوں کی چوری پر حد باطل کرنا اور اس کا عذر :

"وَلَا قَطْعَ فِي الدَّفَاتِرِ كُلِّهَا لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مَا فِيهَا وَذٰلِكَ لَيْسَ بِمَالٍ إِلَّا فِي دَفَاتِرِ الْحِسَابِ"

(ہدایہ ص ۲۳۷ ج ۲)

"کتابیں چوری کرنے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا خواہ کسی قسم کی ہوں کیونکہ مقصود وہ چیز ہے جو ان میں ہے۔ اور وہ مال نہیں مگر حساب کی کتابوں میں۔"

ردِّ عذر :

یہ اہلِ علم پر کتنا ظلم ہے کہ ان کی زندگی سے بھی عزیز چیز، جسے خریدنے کے لیے وہ عمر بھر کی کمائی خرچ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور جان سے بڑھ کر اس کی حفاظت کرتے ہیں، کی چوری کو حد سے مستثنیٰ قرار دے دیا ہے اور دانشوری کی طغیانی دیکھیے۔ کہا جا رہا ہے کہ کتابوں سے مقصود وہ چیز ہے جو ان میں ہے اور وہ مال نہیں۔ اور ساتھ ہی حساب کی کتابوں کی چوری پر حد لازم کی جا رہی ہے۔ حالانکہ حساب کے رجسٹر میں لکھی ہوئی چیز بھی صرف حروف و الفاظ اور ہندسے ہوتے ہیں۔ ان حروف و الفاظ اور ہندسوں کو بھی مال نہیں کہا سکتا، مال کا علم کہا جا سکتا ہے۔ مال تو الماریوں اور تجوریوں میں ہے، نہ کہ حساب کے رجسٹروں میں۔ فرمایئے ان الفاظ و حروف پر مشتمل رجسٹروں کو چرانے والے نے کون سے روپے چرائے ہیں کہ آپ اس کا ہاتھ کاٹ رہے ہیں؟

اگر ایک منٹ کے لیے مان بھی لیں کہ کتابوں سے مقصود جو چیز ہے وہ مال نہیں بلکہ علم ہے۔ تو کتابوں کے گتے، کاغذ، سیاہی کتابت کا خرچ وغیرہ تو بلاشبہ مال ہیں ان کی چوری نصاب یا اس سے زائد کی جائے تو اللہ کے حکم کے مطابق اس پر حد لازم ہو گی۔ ان چیزوں کو غیر مقصود قرار دے کر کتابوں کی چوری کو حد سے مستثنیٰ قرار دینا، خواہ لاکھوں روپے کی مالیت کی کتابیں ہوں، دین میں زبردست جرأت ہے۔ جس کی

بنیاد قرآن وسنت کی کسی دلیل پر نہیں۔ صرف اتباعِ ہوٰی پر ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا موقف :

فقہ حنبلی کی کتاب "المغنی" میں ہے :

" فَإِنْ سَرَقَ مُصْحَفًا فَقَالَ أَبُوبَكْرٍ وَالْقَاضِي لَا قَطْعَ فِيهِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهُ مَا فِيهِ مِنْ كَلَامِ اللهِ وَهُوَ مِمَّا لَا يَجُوزُ أَخْذُ الْعِوَضِ عَنْهُ وَاخْتَارَ أَبُوالْخَطَّابِ وُجُوبَ قَطْعِهِ وَقَالَ هُوَ ظَاهِرُ كَلَامِ أَحْمَدَ فَإِنَّهُ سُئِلَ عَمَّنْ سَرَقَ كِتَابًا فِيهِ عِلْمٌ لِيَنْظُرَ فِيهِ فَقَالَ كُلُّ مَا بَلَغَتْ قِيمَتُهُ ثَلَاثَةَ دَرَاهِمَ فِيهِ الْقَطْعُ وَهٰذَا قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ وَأَبِي ثَوْرٍ وَابْنِ الْمُنْذِرِ لِعُمُومِ الْآيَةِ فِي كُلِّ سَارِقٍ وَلِأَنَّهُ مُتَقَوَّمٌ تَبْلُغُ قِيمَتُهُ نِصَابًا فَوَجَبَ بِسَرِقَتِهِ كَكُتُبِ الْفِقْهِ وَلَا خِلَافَ بَيْنَ أَصْحَابِنَا فِي وُجُوبِ الْقَطْعِ بِسَرِقَةِ . . . . . كُتُبِ الْفِقْهِ وَالْحَدِيثِ وَسَائِرِ الْعُلُومِ الشَّرْعِيَّةِ" (ص ۲۴۸ ج ۸)

"پس اگر قرآنِ مجید کا نسخہ چوری کرے تو ابوبکر اور قاضی نے کہا اس میں قطع ید نہیں۔ اور یہی ابوحنیفہ کا قول ہے۔ کیونکہ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو اس میں ہے۔ اور وہ ان چیزوں سے ہے جن پر بدلہ لینا جائز نہیں اور ابوالخطاب نے اس کا ہاتھ کاٹنے کو اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ امام احمد کے کلام سے یہی بات ظاہر ہے۔ کیونکہ ان سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے کوئی کتاب، جس میں علم ہو، اس لیے چوری کی کہ اس کا مطالعہ کرے تو انہوں نے فرمایا: ہر وہ چیز جس کی قیمت تین درہم کو پہنچ جائے چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنا لازم ہے اور مالک، شافعی، ابوثور اور ابن المنذر کا یہی قول ہے کیونکہ آیت ہر چور کے متعلق عام ہے اور اس لیے کہ وہ قیمت والی چیز ہے

جس کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہے تو اس کی چوری پر قطع ید واجب ہوگا۔ جیسا کہ فقہ کی کتابیں ہیں اور ہمارے اصحاب میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں کہ فقہ، حدیث اور دوسرے علومِ شرعیہ کی کتابیں چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کتابوں کی چوری میں قطع ید کو واجب قرار دیتے ہیں۔ قرآنِ مجید کے نسخے کی چوری میں مالک اور شافعی قطع ید پر متفق ہیں، احمد بن حنبل کا ظاہر کلام بھی اسی کا متقاضی ہے۔ تمام کتابوں کی چوری پر حد باطل کرنے میں حنفی قانون تنہا بھی ہے اور کتاب و سنت کی کسی دلیل سے بھی یکسر محروم!

آزاد بچے کو زیور سمیت چوری کرنے پر حد ختم کرنا:

" وَلَا قَطْعَ عَلَى سَارِقِ الصَّبِيِّ الْحُرِّ وَإِنْ كَانَ عَلَيْهِ حُلِيٌّ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَالٍ وَمَا عَلَيْهِ مِنَ الْحُلِيِّ تَبَعٌ لَهُ۔"

(ہدایۃ صـ ۲۳۶ ج ۲)

"آزاد بچے کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگرچہ اس پر زیور ہو کیونکہ وہ مال نہیں اور جو زیور اس پر ہے وہ اس کے تابع ہے۔"

غور کے قابل بات یہ ہے کہ چور بچے کو چرا کر بیچ دیتا ہے اور پیسے کھرے کر لیتا ہے۔ اگر وہ مال ہو ہی نہیں سکتا تھا تو بک کس طرح گیا۔ جو چیز مال ہی نہیں وہ فروخت کس طرح ہو سکتی ہے؟ اس شخص کو تو چوری کی سزا قطع ید اور آزاد کو غلام بنانے کی مزید سزا ملنی چاہیئے۔

پھر مزید رعایت بچے چراتے والوں کو یہ دی ہے کہ نصاب سے زیادہ کا زیور بھی بچے کے ساتھ چرالیں تو بچے کے ساتھ زیور کی چوری پر بھی حد نہیں۔ گویا بچے چرانا ایسا کارِ خیر ہے کہ اس کی برکت سے ہزاروں روپے کے زیور کی چوری پر بھی قطع ید کی سزا ختم ہوگئی۔ اور تابع متبوع کا گر بھی خوب ہے کہ کتاب و سنت میں سرے سے مذکور نہ ہوتے کے باوجود چوروں کے ہاتھ کٹنے سے بچانے کے لیے امرت دھارے کی طرح استعمال ہوتا ہے۔

کفن چوروں سے حد ختم کرنا:

"وَلَا قَطْعَ عَلَى النَّبَّاشِ" (ہدایہ ص۲۳۷ ج ۲)

"کفن چور پر قطع ید نہیں"

کفن چور کی سزا بھی قرآنِ مجید کی آیت "وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا" کی رُو سے "ہاتھ کاٹنا" ہے۔ اگر کفن کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے۔ اور قرآنِ مجید کی کسی آیت یا کسی حدیث میں اسے حد سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا۔

ائمہ ثلاثہ کا فرمان:

"وَاخْتَلَفُوا فِي النَّبَّاشِ؟ فَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَحْدَهُ لَا قَطْعَ عَلَيْهِ وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ: عَلَيْهِ الْقَطْعُ"

(الافصاح ص۲۵۴ ج ۲)

"کفن چور کے متعلق اختلاف ہے چنانچہ اکیلے ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور مالک، شافعی اور احمد کہتے ہیں: اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔"

حد سے بچانے کے لیے ایک اور ضابطہ، حقیقی اور خود ساختہ شراکت:

"وَمَنْ لَهُ عَلَى آخَرَ دَرَاهِمُ فَسَرَقَ مِنْهُ مِثْلَهَا لَمْ يُقْطَعْ"

(ہدایہ ص۲۳۸ ج ۲)

"جس شخص کے کچھ درہم دوسرے کے ذمے ہوں پس وہ اس سے اُتنے درہم چُرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔"

آگے فرماتے ہیں:

"وَكَذَا إِذَا سَرَقَ زِيَادَةً عَلَى حَقِّهِ لِأَنَّهُ بِمِقْدَارِ حَقِّهِ يَصِيرُ شَرِيكًا فِيهِ"

(ہدایہ ص۲۳۸ ج ۲)

"اسی طرح جب وہ اپنے حق سے زیادہ چُرائے (تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا)

کیونکہ وہ اپنے حق کی مقدار کے ساتھ اس میں شریک بن جائے گا۔"

کسی سے چند روپے لینے ہوں خواہ وہ اس پر قرض ہوں یا اپنے کام کی اجرت ہی وصول کرنی ہو۔ اس کا سارا اثاثہ چوری کر لو، ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیسا عمدہ نسخہ ہے؟ چند روپے کسی کو قرض دے دو پھر اس کا سارا اثاثہ چوری کر لو۔ اگر ہضم ہو گیا فھو المقصود، پکڑے گئے تو قانونِ حنفی کی رُو سے اس کے مال میں اپنا شراکت نامہ پیش کر دو۔ آپ کا ہاتھ کوئی حنفی قاضی نہیں کاٹے گا۔

اوّل تو اگر کسی شخص کے ساتھ واقعی شراکت بھی ہو تو اپنے شریک کا مال چوری کرتے پر حد ختم کرنا قرآن وسنت سے ثابت نہیں۔ کیونکہ جب وہ دوسرے کا مال نصاب سے زیادہ چوری کر رہا ہے، جو اس کا حق نہ تھا، تو قرآنِ مجید کے حکم "وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا" کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ تو خواہ مخواہ کی بنائی ہوئی شراکت کو اللہ کی حد باطل کرنے کا بہانہ بنانا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

اسی شراکت کے حیلے سے بیت المال کی چوری پر حد ساقط کی گئی ہے۔

(دیکھیے ہدایہ ص ۲۳۷ ج ۲)

حرز (جائے حفاظت) سے چوری کرنے کی شرط:

یہ بات ظاہر ہے کہ چوری کسی فرد یا قوم کی ملکیت سے خفیہ طور پر کوئی چیز لینے کو کہتے ہیں۔ جو ایسی جگہ سے لی جائے کہ اسے لقطہ یعنی گری ہوئی چیز اٹھانا نہ کہا جا سکے۔ ایسی جگہیں کئی طرح کی ہو سکتی ہیں۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھل کے متعلق فرمایا:

"فَإِذَا آوَاهُ الْجَرِينُ ۔ الخ!"

یعنی "پھلوں کے ڈھیر میں آنے کے بعد کوئی شخص اس سے چوری کرے جو ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔"

اب سب لوگ جانتے ہیں کہ کھیتوں میں غلے اور پھلوں کے ڈھیر کرنے اور سکھانے کے لیے کھلی زمین ہی استعمال کی جاتی ہے۔ جس پر نہ دیوار ہوتی ہے نہ دروازہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے چوری کرنے پر بھی قطع ید کا حکم دیا ہے۔

اسی طرح بکریوں کے متعلق آپؐ نے فرمایا کہ باڑے میں آتے کے بعد انہیں چرانے پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور بکریوں کے باڑے دیواروں والے بھی ہوتے ہیں، باڑ والے بھی اور دیوار اور باڑ کے بغیر کھلی جگہیں بھی جہاں رسیوں سے بکریاں باندھ دی جاتی ہیں ضروری نہیں قفلدار عمارت ہی ہو۔

قانونِ حنفی میں بہت سے مقامات کو حرز (جائے حفاظت) سے خارج قرار دے کر وہاں سے چوری کرنے پر حد ختم کر دی گئی ہے۔

مسجد سے چوری پر حد باطل کرنا:

"وَلَا يُحْرَزُ بِبَابِ الْمَسْجِدِ مَا فِيهِ حَتّٰى لَا يَجِبَ الْقَطْعُ بِسَرِقَةِ مَتَاعِهِ۔" (ہدایہ ص ۲۳۶ ج ۲)

"مسجد کے دروازے سے وہ چیزیں محفوظ نہیں ہوتیں جو اس میں ہیں اس لیے اس کے سامان کی چوری سے ہاتھ کاٹنا واجب نہیں۔"

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد سے چیز چرانے والے کو حد سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔

مسجد میں سے کسی شخص کا سامان چرانے پر حد ختم کرنا:

"وَمَنْ سَرَقَ مِنَ الْمَسْجِدِ مَتَاعًا وَصَاحِبُهُ عِنْدَهُ قُطِعَ۔" (ہدایہ ص ۲۴۱ ج ۲)

"جو شخص مسجد سے کوئی سامان چرائے جس کا مالک اس کے پاس موجود ہو، اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔"

اس شرط کا واضح مطلب یہ ہے کہ اگر مسجد میں سے کسی شخص کا سامان چرائے جب وہ پاس نہ ہو، تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

عُذر

مالک پاس موجود ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ مسجد راستے اور صحرا کی طرح غیر محفوظ جگہ ہے۔ جس طرح راستے اور صحرا میں ہر شخص آجا سکتا ہے، مسجد میں داخلہ کی اجازت

بھی عام ہے۔ اس لیے مالک پاس نہ ہو تو جس طرح صحرا یا راستے سے کوئی چیز اُٹھا لینے پر حد نہیں، اسی طرح مسجد میں سے اٹھانے پر بھی کوئی حد نہیں۔

قطع عذر:

یہ عذر بے کار ہے۔ داخلے کی اجازت عام ہونے سے کسی جگہ کو صحرا یا شارعِ عام قرار دینا نہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے نہ عقل و عُرف کا۔ کیونکہ راستے یا صحرا سے چیز اُٹھانے والے کو چور نہیں کہا جاتا۔ جب کہ داخلۂ عام والی جگہوں سے چوری کرنے والے کو چور کہا جاتا ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں سے سامان کے مالک کی موجودگی میں چوری کرنے والے کا ہاتھ بھی کاٹ دیتے تھے۔ جیسا کہ صفوانؓ بن امیہ کی چادر کے چور کا ہاتھ آپؐ نے کاٹ دیا تھا۔ اور مالک موجود نہ ہوتے ہوئے چوری پر بھی ہاتھ کاٹ دیتے تھے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے صدقہ میں سے تین درہم کی قیمت کی ڈھال چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹ دیا تھا۔ دونوں حدیثوں کی تفصیل و تخریج پیچھے احادیث کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ:

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹ دیتے تھے۔

۲۔ مسجد لوگوں کے لیے داخلے کی عام اجازت کے باوجود سڑک یا صحرا نہیں کہ وہاں سے چیز لے جانے والا حد سے مستثنیٰ ہو۔

۳۔ لوگوں کے لیے کسی جگہ پر داخلے کی اجازت انہیں چوری کی صورت میں حد سے نہیں بچا سکتی۔

اب آپ مزید وہ مقامات سنئے جہاں داخلے کی اجازت کو بہانہ بنا کر قانونِ حنفی میں چور کی حد باطل کی گئی ہے۔

عام داخلے والی جگہوں مثلاً دکانوں، ہوٹلوں وغیرہ سے چوری پر حد باطل کرنا:

"وَلَا قَطْعَ عَلٰى مَنْ سَرَقَ مَالًا مِنْ حَمَّامٍ اَوْ مِنْ بَيْتٍ اُذِنَ لِلنَّاسِ فِيْ دُخُوْلِهِمْ فِيْهِ ـــــ وَيَدْخُلُ فِيْ

ذٰلِكَ حَوَانِيْتُ التِّجَارَةِ وَ الْخَانَاتُ اِلَّا اِذَا سَرَقَ مِنْهَا لَيْلًا۔" (ہدایہ ص۲۴۱ ج ۲)

"جو شخص حمام سے یا ایسے مکان سے چوری کرے جہاں لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت دی گئی ہو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا ——— اور اس میں تجارت کی دکانیں اور ہوٹل بھی داخل ہیں۔ مگر جب ان میں سے رات کو چوری کرے۔"

عذر:

چونکہ ان مقامات میں لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت ہے، اس لیے یہ مقامات پوری طرح حرز (جائے حفاظت) نہ رہے اس لیے ان سے چوری پر حد نہ ہوگی۔

قطع عذر:

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی جگہ سے چوری کو حد سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو عورتوں کے صفہ سے ڈھال چرانے پر ہاتھ کاٹ دیتے تھے، جہاں داخلہ کی عام اجازت سب کو معلوم ہے، وہ لوگوں کی دکانوں اور ہوٹلوں سے چوری کرنے والوں کی حد کس طرح ختم کر سکتے ہیں؟

خلافت و جمہوریت

از قلم

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

دوسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے!

ضخامت : ۲۸۸ صفحات

مجلد سنہری ڈائیدار ——— قیمت ۳۸ روپے

ناشر: ادارہ محدث ۹۹ جے ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴